تفسیر آیۃ بسم اللہ

تالیف مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

(ترجمہ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

[آیۂ بسم اللہ کی تفسیر کا یہ ترجمہ دراصل مصنف مرحوم کے نوٹس سے کیا گیا ہے۔ اس میں تصنیفی ترتیب و تالیف نہیں پائی جاتی۔ مگر جو متفرق اشارات مصنف کے قلم سے نکل گئے ہیں وہ فوائد سے خالی نہیں ہیں۔ اسکے بعد انشاء اللہ مولانا مرحوم کی تفسیر سورۂ فاتحہ کا ترجمہ شائع کیا جائیگا]

۱- اللھم نحمدك باسمائك الحسنیٰ۔ ونسألك ان تصلی علی محمد ذی المقام الاسنیٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ، ونسألك اللھم ان تخلصنا عن ھواجس المنیٰ۔ وتمنحنا عن ذکرك ذخرا لا یفنی۔

اما بعد:-

یہ آیت بسم اللہ کی تفسیر ہے۔ جو کتابیں ہم نے تفسیر "نظام القرآن" کے لیے بطور مقدمہ لکھی ہیں، ان کے بعد ہماری اصل کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے۔ اس عظیم آیت کی تفسیر کے لیے ہم نے اپنی تفسیر کا ایک مستقل حصہ اس بنا پر مخصوص کیا ہے کہ:

اولاً، یہ آیت نہایت عظیم الشان معارف کا گنجینہ ہے۔

ثانیاً، اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر سورہ کا تاج بنایا ہے۔

ثالثاً، ہر سورہ کے ساتھ اسکی تفسیر موجب تکرار ہوتی۔

رابعاً، بعض جگہ اسکی تفسیر کرنا اور بعض جگہ نہ کرنا، ترجیح بلا مرجح ہوتی۔

یہ بات کہ یہ آیت سورۂ فاتحہ کا ایک جزء ہے اور دوسری سورتوں کے اوائل میں زائد ہے، علماء کے مابین مختلف فیہ ہے - اور حق اس باب میں شاذ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس امر میں فاتحہ اور غیر فاتحہ میں کوئی فرق نہیں کرتے، عام اس سے کہ یہ سورہ کی آیات کے اندر شامل ہو، یا ان سے خارج ہو۔ اس صورت میں اس آیت کی حیثیت امور کلیہ کی ہو جاتی ہے - چنانچہ اگر یہ قرآن مجید کی ایک آیت نہ ہوتی تو ہم اس پر بحث کرنے کے لیے اُن مقدمات میں جگہ نکالتے جو ہم نے کلیات امور پر لکھے ہیں - کیونکہ ہماری اس کتاب کی قرار دادہ ترتیب یہ ہے کہ ہم نے کلی امور پر علحدہ بحث کی ہے تاکہ ضرورت کے وقت ان کا حوالہ دے دیا جائے اور مباحث کی تکرار سے سلسلہ کلام میں حتی الامکان کوئی خلل نہ واقع ہو۔

۲ - معناً یہ آیت نزول قرآن سے پہلے سے ماثور ہے - حضرت سلیمان علیہ السلام کے نامہ میں اس کا ذکر موجود ہے - اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور یہ خدائے رحمان و رحیم کے نام سے شروع ہے) - مجوس کی کتاب "اوستا تیر" میں بھی یہ موجود ہے - لیکن اس کا اعتبار نہیں - وہ کتاب منحول ہے - اہلِ نظر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں - خود مجوس میں سے بھی تھوڑے سے احداث ہی اس کو مانتے ہیں - اس طرح کی کتنی آیتیں ہیں جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہیں - لیکن جیسا کہ سورہ فاتحہ میں معلوم ہوگا، اس بلاغت کو نہیں پہنچ سکیں جس بلاغت کو قرآن میں پہنچیں -

ہمارے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت اور ہر سورہ کا فاتحہ ہے - قرآن کا طریقۂ نزول اور پھر جس طرح وہ محفوظ ہوا، اس دعوے پر دلیل ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے[1] - نیز بسم اللہ کا مفہوم آغاز کلام کے لیے نہایت مناسب ہے - علاوہ ازیں اسکی وہ

---

[1] ترجمان القرآن - مصنف رحمۃ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آیت ہر سورہ کے آغاز میں اللہ ہی کے حکم سے ثبت نہ کی گئی ہوتی تو کوئی دوسرا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵ پر)

تاویل بھی جو آگے بیان ہوگی، اسکی تائید کرتی ہے - پھر احادیث میں وارد ہے کہ یہ فاتحہ کی ایک آیت ہے -

بسم میں ب اظہار عظمت، برکت اور سند کے لیے ہے - یہ کلام خبریہ نہیں ہے بلکہ الحمد للہ کی طرح دعائیہ ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا - اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں دیدیا تھا - سورہ اقراء میں ہے - اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا) - دین کی بنیاد نماز ہے اور نماز کی بنیاد اللہ کے نام کی یاد - جیسا کہ فرمایا ہے - وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کیا اور نماز پڑھی) - دوسری جگہ ہے - وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (اور یاد کر اپنے رب کے نام کو اور اسی کی طرف یکسو ہو) - تَبَتَّلْ إِلَيْهِ، اسی کی طرف یکسو ہو، یعنی اس کی نماز پڑھ جیسا کہ سیاق سے واضح ہے - کسی شئے کا نام اسکی یاد کا واسطہ ہے - پس اللہ کے نام کی یاد درحقیقت اللہ کی یاد ہے - اور یہی چیز نماز کی روح ہے - اسی لیے جب نماز کو اسکی کامل صورت کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ذکر اللہ کو قائم رکھنے کا حکم ہوا - اور امن و اطمینان کی حالت میں بھی اسکی تاکید فرمائی گئی تاکہ یہ حقیقت واضح رہے کہ نماز کی اساس یہی ہے - چنانچہ فرمایا :-

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

پھر اگر تم کو خطرہ لاحق ہو تو پیادہ یا سوار جس حالت میں بھی ہو پڑھ لیا کرو - اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو خدا کی یاد اس طرح کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح تم کو سکھلایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے (یعنی نماز کی کامل صورت)

بقیہ حاشیہ ۴۵ - اس کا بھی ذہن تھا کہ اسے بطور خود لکھ دیتا، خواہ نمبر ۲ ہی سہی - اور اس دلیل کو یہ بات مزید قوت پہنچاتی ہے کہ سورۂ توبہ کے آغاز میں جب صحابۂ کرام کو بسم اللہ لکھی ہوئی نہ ملی تو انہوں نے اسے بلا بسم اللہ ہی مصحف میں درج کیا -

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ   میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود مگر میں۔ پس

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ   میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

سورۂ اعراف میں فرمایا:-

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ   اور جو کتاب کو مضبوط تھامتے ہیں اور نماز

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ   قائم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس ذیل میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعوذ کو شیطان سے پناہ کا ذریعہ قرار دیا ہے اسی طرح اپنے نام کو سہو و نسیان سے (جو شیطان ہی کی جانب سے ہوتا ہے) امان کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس کا اشارہ سورۂ اعلیٰ کی آیت سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی (ہم تم کو پڑھا دینگے پس تم نہ بھولوگے) میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے نام کی تسبیح کے حکم کے بعد فرمائی ہے۔

پس آغاز قرآن کے لیے یہ موزوں ترین کلام ہوا۔ یہ قلب کو تمام تشویشوں سے پاک کر کے مطمئن کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آگاہ کہ اللہ کی یاد ہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں)۔ اور یہ بات اوپر معلوم کر چکے ہو کہ اللہ کی یاد دین کی بنیاد ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر ہی کو قرآن کی بنیاد بھی قرار دیا اور اسی چیز کے ساتھ اول اول اس کا نزول ہوا اور اسی چیز کا حکم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی ہوا۔

پھر بسم اللہ اس بات کا اقرار ہے کہ تمام فضل و احسان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ گویا ہم اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو احسانات فرمائے ہیں یہ ہمارے استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ اس کے اسمائے حسنیٰ رحمان و رحیم ---- کا فیضان ہے۔ تورات کی بھی ایک سے زیادہ آیات اسکی تائید کرتی ہیں۔

نیز یہ کہ تمام قوت و زور اسی کا بخشا ہوا ہے - چنانچہ اسی وجہ سے ابتدائے وحی کے وقت ہی آنحضرت صلعم کو اللہ کے نام کی یاد کا حکم ہوا - حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی الواح کی تیاری کے بعد طُور پر سب سے پہلے اللہ کا نام ہی نازل ہوا - کتاب خروج باب ۳۴ (۵ - ۸) میں ہے -

"تب خداوند ابر میں ہو کر اُترا اور اسکے ساتھ وہاں کھڑے ہو کر خداوند کے نام کا اعلان کیا ۵ اور خداوند اسکے آگے سے یہ پکارتا ہوا گذرا ، خداوند خداوند خدائی رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت اور وفا میں غنی ۵ ہزاروں پر فضل کرنے والا - گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا - لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کریگا بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے ۵ تب موسیٰ نے جلدی سے سر جھکا کر سجدہ کیا ۵"

یہ ساری عبارت ہم نے محض اس مقصد سے نقل کی ہے کہ بسم اللہ کی اہمیت اور اسکے ساتھ نماز کا تعلق تمہاری سمجھ میں آجائے - قرآن مجید نے بھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت کی تفصیل کی ہے وہاں اس معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے[1] . . . . . نیز اس سے سورۂ اقراء اور سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ کی تاویل پر بھی روشنی پڑے گی کہ ان کے مضامین اور تورات کے بیان میں بہت مماثلت ہے - ان سورتوں کی تفسیر نیز سورۂ فاتحہ کے ذیل میں ہم کسی قدر ان اشارات کی تفصیل کرینگے -

یہاں تک اظہار برکت و عظمت کے مفہوم کی تشریح ہوئی - اب ہم بالاختصار سند کے مفہوم کو بھی واضح کرنا چاہتے ہیں - یہ پہلو بھی نہایت اہم لطائف و حقائق پر مشتمل ہے - اس پہلو کے اعتبار سے

[1] اصل کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ نے یہاں بیاض چھوڑی ہے - میرا خیال ہے کہ سورۂ طٰہٰ کی آیات - انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری کی طرف اشارہ ہے - واللہ اعلم بالصواب - (مترجم)

بسم اللہ کے معنی گویا یہ ہوئے کہ یہ کلام خداوند تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس طرح یہ موسیٰ کی پانچویں کتاب باب ۱۸ (۱۸ - ۱۹) کی طرف اشارہ ہوگا:-

"میں اُنکے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہیگا ٥ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جنکو وہ میرا نام لے کر کہیگا نہ سُنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا ٥"

چنانچہ یہ بات حرف بحرف پوری ہو کے رہی - جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور ان باتوں کو نہیں مانا جو آپ نے اللہ کا نام لے کر کہیں، ان سے نہایت سخت محاسبہ ہوا۔ اور یہ اُسی پیشین گوئی کی تصدیق تھی کہ اولین وحی اللہ کے نام کے ساتھ نازل ہوئی، اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (پڑھ اپنے اُس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا) - پھر اس کے ساتھ رحمٰن ورحیم کی صفتیں لائے ہیں [1] . . . . یہود نے یہ نام (رحمان ورحیم) ضائع کر دیئے تھے جبکی سزا اُنکو یہ بھگتنی پڑی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے بس قہر وجلال ہی کے ساتھ ظاہر ہوا اور ان کا پیغمبر بھی انکی سخت دلی کی وجہ سے ہیبت و شدت کے بھیس میں نمودار ہوا اور ان کی سرکشی کے باعث ان کی شریعت ان کے لیے نہایت سخت ہوگئی - جیسا کہ سورۂ انعام میں وارد ہے:-

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ۔	اور یہود پر ہم نے تمام ناخون والے جانور حرام کیے اور گائے اور بکری میں سے اُنکی چربی کو ان پر حرام کیا مگر جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈی سے ملی ہو - یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ دیا۔ (سورۂ انعام)

[1] یہاں بھی مصنف رحمۃ اللہ نے بیاض چھوڑی ہے - غالباً رحمٰن ورحیم پر کچھ لکھنا چاہتے تھے - چونکہ اسکی تفصیل کسی قدر تفسیر سورہ فاتحہ میں ملیگی اس لیے یہاں ہم اسکی توضیح غیر ضروری سمجھتے ہیں (مترجم)

اس کی شہادت اسپنوزا نے بھی دی ہے۔ وہ کہتا ہے

"یرمیاہ نبی نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کا خدا اُس دن سے اُن پر غضبناک ہے جس دن سے انہوں نے اپنے شہر کی تعمیر کی۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر خدا کی غضبناکی اسی روز سے ہے جس روز سے انکو شریعت ملی اور حزقیل نبی کے کلام سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ باب ۲۰ ۲۵ میں ہے "سو میں نے انکو برے آئین اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں۔"

اسکی پوری تفصیل تفسیر سورۂ انعام میں ملیگی۔

اگر اس معاملہ پر غور کروگے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہوگی کہ اس طرح کی سخت شریعت دائمی شریعت نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ، جو رحمٰن ورحیم ہے، ایک شکنجہ میں لوگوں کو ہمیشہ کسا نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس سے نجات کی بشارت بھی اس نے دے دی تھی اور سورۂ اعراف میں اس بشارت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے:

عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤْمِنُونَ - ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ -

میرا عذاب! تو میں اس کو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں۔ اور میری رحمت ہر چیز پر عام ہے۔ سو اس کو میں ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ پر قائم رہینگے، زکوٰۃ دینگے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائینگے۔ جو پیروی کرینگے نبی امی کی جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں۔

(سورۂ اعراف)

نیز سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:-

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا -

توقع ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر فساد کروگے تو ہم پھر سزا دینگے۔

چنانچہ جب یوں ہوا کہ عین اس وقت جبکہ رحمتِ الٰہی ان کی طرف متوجہ تھی انہوں نے گوسالہ پرستی کی اور وہ اس عورت کے مانند ہو گئے جس نے پہلی ہی شب میں اپنے شوہر کے ساتھ بیوفائی کی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ رحمت کا معاملہ دوسری بعثت پر اٹھا رکھا، تاکہ اس وقت وہ انکے لیے رحمت کے بھیس میں نمودار ہو - چنانچہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (اور ہم نے نہیں بھیجا تمکو مگر عالم کے لیے رحمت بناکر) اور ایسی ہی تعریف آپ کے صحابہ کی بیان کی - أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (کفار کے لیے سخت اور آپس میں رحمدل)

۳- اسم "اللہ" کا مفہوم -

"اللہ" میں الف، لام تعریف کے لیے ہے - یہ نام صرف اللہ واحد کے لیے مخصوص تھا جو تمام آسمان و زمین اور تمام مخلوقات کا خالق ہے - اسلام سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی اس لفظ کا یہی مفہوم تھا - عرب مشرک ہونے کے باوجود اپنے دیوتاؤں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں قرار دیتے تھے - وہ اس بات کا برابر اقرار کرتے تھے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے دوسرے دیوتاؤں کو صرف اس وجہ سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور اللہ سے انکی سفارش کرینگے - قرآن شریف میں اُنکے اقوال نقل ہیں - قَالُوا هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں) - قَالُوا مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (کہتے ہیں ہم نہیں پوجتے انکو مگر اس لیے کہ یہ اللہ سے ہمکو قریب کردیں) - وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ - اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور مسخر کیا سورج اور چاند کو؟ کہینگے اللہ - پھر کہاں انکی عقل الٹ جاتی ہے! اللہ ہی روزی میں وسعت دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے اسکے لیے - اللہ ہر چیز کو جانتا ہے - اور اگر ان سے پوچھو کہ کس نے اتارا بادل سے پانی، پھر زندہ کی اس سے زمین اسکے مرنے کے بعد؟ کہینگے اللہ - کہو اللہ ہی کے لیے شکر ہے لیکن اُن میں سے اکثر نہیں سمجھتے)۔

بعض مسیحی اہلِ قلم کا خیال ہے کہ اس لفظ (اللہ) کی اصل "ایل" ہے جو اکثر عبرانی ترکیبوں میں استعمال ہوئی ہے - مثلاً اسرائیل (اللہ کا بندہ) اسماعیل (اللہ نے سنی) عمانویل (اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور اس کو "بعل" سے مشتق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سورج کے ناموں میں سے ایک نام ہے - ہمارے نزدیک یہ بالکل باطل اور مہمل خیال آرائی ہے اُن لوگوں کی جو نبوت کے منکر ہیں اور عبرانیوں کے مذہب کو بت پرستوں کے مذہب سے ماخوذ بتلاتے ہیں -

اس باب میں صحیح رائے یہ ہے کہ عبرانی نے سہ حرفی الفاظ میں سے بالعموم ایک حرف ضائع کردیا ہے - اسی وجہ سے محققین عبرانی الفاظ کی تصحیح عربی کی مراجعت سے کرتے ہیں - کیونکہ تمام سامی زبانوں میں سب سے زیادہ مکمل اور قریب بہ اصل یہی زبان ہے - بلکہ سامی زبانوں کے علماء اور مسیحی مستشرقین کا اعتراف تو یہ ہے کہ یہی اصل ہے - بہرحال لفظ "ایل" کے متعلق مذکورۂ بالا خیال بالکل بے بنیاد ہے - عبرانی زبان میں اسکی اصل محفوظ ہے - پہلا لفظ جس سے تورات شروع ہوتی ہے "الوہیم" کا لفظ ہے اور یہ تورات میں اکثر آیا ہے اور یہی "ایل" کی اصل ہے -

یہ لفظ دین صحیح کے ان عظیم بقایا میں سے ہے جو عرب کو وراثت میں ملے - یہود اور نصاریٰ نے اس لفظ کو ضائع کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اُن کے ہاں کوئی خاص لفظ نہیں ہے - وہ الاٰکا لفظ غیر اللہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں - یہ لفظ انکے ہاں "سید" کے مفہوم میں ہے - زبور ۸۲ میں ہے -

"خدا کی جماعت میں خدا موجود ہے۔
وہ الہٰوں کے درمیان عدالت کرتا ہے۔
تم کب تک بے انصافی سے عدالت کروگے
اور شریروں کی طرفداری کروگے"۔

اس میں جس لفظ کا ترجمہ "خدا" کیا گیا ہے وہ "الوہیم" ہے۔ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے کیونکہ "یم" جو علامت جمع ہے تعظیم کے لیے بھی آتی ہے۔ پس "خدا کی جماعت" دراصل "الہٰوں کی جماعت" ہے جیساکہ بعد کے فقرے سے واضح ہوتا ہے۔ اور بعد کے فقرے کا پہلے فقرے سے مشابہ لانا عبرانی زبان کا ایک عام اسلوب ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ حکام کے مجمع میں موجود ہے اور وہ ججوں کے درمیان عدالت کرتا ہے پس کب تک بے انصافی سے عدالت کروگے اور شریروں کی طرفداری کروگے"۔

جو باتیں بنی اسرائیل پر مخفی رہ گئیں ان میں سے بہت سی باتوں کی قرآن مجید نے توضیح کی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی توضیح قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (المجادلہ)

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتا ہے تین کا مشورہ مگر جو تھا وہ ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم و بیش مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو خبر دے گا ان کے عمل کی قیامت کے دن بے شک اللہ ہر بات کو جانتا ہے۔

زبور کی عبارت پر غور کرو، کس طرح اللہ اور حکام کے الفاظ میں التباس ہو گیا ہے اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ سفر خروج (باب ۴ ۱۶) میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔

"اور وہ (ہارون) تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ تیرا منہ بنے گا اور تو اس کے لیے خدا ہوگا"

اسی طرح سفر خروج باب ۷ ا میں ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے خدا ٹھیرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا"

یعنی تجھ کو امیر مقرر کیا اور ہارون فرعون سے گفتگو کرنے کے لیے تیرا سفیر ہوگا۔

سفر تکوین باب ۳۲ ۲۴ - ۲۹ میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔

"اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا ۝ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اسکے ساتھ کشتی کرتے میں چڑھ گئی ۝ اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دونگا ۝ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا یعقوب ۝ اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا ۝ تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا نام بتا دے اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی" ۝

یہ ایک عجیب و غریب قصہ ہے اور یہود نے جو خرافات اس میں ملا دی ہیں انکی تاویل یا اُن سے چھٹکارا پانا ان کے لیے ناممکن ہے۔ اسکو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جہاں جہاں "عفریت" "باجبار" وغیرہ کے الفاظ ہونے چاہئیں وہاں "الا" اور "ایل" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "الا" کے لفظ کی بنی اسرائیل کے یہاں کوئی خاص اہمیت و منزلت نہیں تھی۔ جس طرح امیر، سیّد، جبار، شدید وغیرہ الفاظ ہیں اُسی طرح ایک لفظ یہ بھی تھا اور اس کے معنی اُن کے ہاں طاقتور اور مضبوط کے ہیں۔ اللہ کے لیے غیر مشترک اور مخصوص نام اُن کے ہاں "یہوہ" ہے۔ لیکن اس لفظ کے حروف اور ان کی حرکات کے بارہ میں بڑے شکوک اور اختلافات ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تلفظ بھی ناممکن ہے۔ سفر خروج باب ۶ میں ہے۔

"پھر خدا نے موسیٰ سے کہا میں خداوند ہوں ۝ اور میں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائی قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنے یہوواہ نام سے اُن پر ظاہر نہ ہوا ۝"

یہود اس نام کی بڑی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ یہ نام مخصوص طور پر اُنکے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ وہ اسکو اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم قرار دیتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ اسکو عام طور پر زبان پر لانا جائز نہیں ہے۔ جماعت کے سامنے سال میں صرف ایک مرتبہ یہ نام لیا جاتا تھا۔ اور اس خطرہ کے سدِ باب کے لیے کہ کہیں اسکا استعمال عام ہو جائے اسکو حرکات سے مجرد کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بالکل مجہول ہو کر رہ گیا۔ جب کبھی تلاوت میں یہ لفظ آتا ہے اسکی حرکات سے ناواقفیت کی وجہ سے اسکو ادا نہیں کرتے اور صحیح قرأت چھوڑ کر اسکے عوض "ادونیم" پڑھتے ہیں۔ کس قدر عبرت انگیز مقام ہے کہ ان لوگوں نے نہ صرف اللہ کی کتاب ضائع کر دی بلکہ اللہ کے نام کو بھی ضائع کر دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کا دروازہ بھی بند ہو گیا اور قرآن کی بات ان پر پوری طرح صادق آئی، فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم۔